سلسلہ تبلیغ ۲۷   بار اول ۲۰۰۰

وعظ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تیسیر الاصلاح

(اصلاح کا آسان طریقہ)

حاشیہ

مولانا خلیل احمد تھانوی

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون پرانی انارکلی   فون کامران بلاک

۷۳۵۳۷۲۸   ۴۴۸۰۶۰ — ۵۴۱۴۳۸۶

محرم الحرام ۱۴۱۷ھ — مئی ۱۹۹۶ء

خطبہ ماثورہ :-

الحمدلله نحمده ونستعينه و نستغفره ونؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه و على آله و اصحابه وبارک وسلم.

اما بعد: اعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم. قال الله تعالىٰ الا من تاب و آمن و عمل عملاً صالحاً فاولئک يبدل اللهُ سيئاتهم حسنٰت. و كان الله غفوراً رحيماً. و من تاب و عمل صالحاً فانه يتوب الى الله متاباً[1]

(مگر جو شرک ومعاصی سے) توبہ کرے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے)۔

تمہید :-

یہ دو آیتیں ہیں جن میں پہلی آیت اپنے سے پہلے آیت کی محتاج ہے مگر جو مضمون اس وقت مقصود ہے اس کے لیے چونکہ یہ بھی کافی ہے اس واسطے پہلی آیت کو جس میں مستثنیٰ منہ[2] مذکور ہے تلاوت نہیں کیا گیا اور اس کی تلاوت کی

۱۔ الفرقان: آیت۔ ۷۰، ۷۱ ۲۔ اس سے پہلی آیت میں کفار و مشرکین کے عذاب دائمی کا ذکر کیا ہے جس سے مومنین کو الگ کیا گیا وہ آیت تلاوت نہیں کی۔

ضرورت نہیں سمجھی اور محض مضمون استثناء[۱] اور اس کی تتمیم پر اکتفا کیا گیا۔ ان دونوں آیتوں میں سے اول آیت میں ایک بہت بڑے مرض کا ایک نہایت ہی سہل[۲] علاج فرمایا ہے۔ ہم میں امراض تو بہت ہی شدید ہیں اور اس لیے قاعدہ معتادہ[۳] کے موافق ان کے علاج بھی بہت ہی سخت ہونے چاہئیں تھے مگر! یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ سخت سے سخت امراض کے نہایت سہل علاج تجویز فرمائے۔ ور یہ بھی ایک امتیاز ہے شریعت محمدیہ ﷺ کو دوسرے شرائع[۴] اور دیگر طرق اصلاح[۵] سے کہ اس شریعت میں سخت امراض کے لیے بھی نہایت سہل علاج بتلائے گئے ہیں۔ ورنہ تمام دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ جس درجہ کا مرض ہوتا ہے اسی درجہ کا علاج بھی کیا جاتا ہے۔ اگر مرض سخت ہے تو اس کا علاج بھی سخت ہوگا، اور مرض ہلکا ہے تو علاج بھی ہلکا ہوگا۔ غرض اس روحانی طب میں یہ امتیاز ہے کہ سخت امراض روحانی کا علاج بھی سہولت سے کیا گیا ہے۔

اعتدال روحانی :۔

اور امراض روحانی سے مراد معاصی[۶] ہیں حدوثاً[۷] یا بقاءً[۸] یعنی گناہ کا صادر ہونا یا اس کا باقی اور مستمر رہنا۔ حاصل یہ ہے کہ معصیت مرض ہے اور اس میں دو درجے ہیں ایک تو اس کا حدوث[۹] اور ایک اس کا بقاء[۱۰] یعنی صدور کے بعد اس سے رجوع[۱۱] میسر نہ ہو وہ تو اصل مرض معصیت ہوا اس کے مرض ہونے میں تطویل[۱۲] کلام کی ضرورت نہیں جس میں ایمان ہوگا وہ اس کو ضرور ہی تسلیم کرے گا کیونکہ مرض کی حقیقت ہے مزاج کا اعتدال سے خارج[۱۳] ہونا

۱۔ صرف وہ مضمون جو تنگ کرکے مومنین کے بارے میں بیان کیا اس کی تلاوت کی اور اسی مضمون کو بیان کیا۔
۲۔ آسان ۳۔ عام قاعدے ۴۔ شریعتوں ۵۔ اصلاح کے دوسرے طریقوں
۶۔ گناہ ۷۔ گناہ صادر ہونے کے اعتبار سے ۸۔ یا گناہ میں مبتلا رہنے کے اعتبار سے
۹۔ واقع ہونا ۱۰۔ باقی رہنا ۱۱۔ یعنی توبہ کی توفیق نہ ہو ۱۲۔ تفصیلی بات کرنے کی ضرورت نہیں
۱۳۔ حد اعتدال سے نکل جانا

اور جس طرح ایک قسم اعتدال کی "طبعی" ہے اسی طرح ایک قسم اعتدال کی "روحانی" بھی ہے جس کو شریعت نے بتلایا ہے کہ انسان کو اس حالت پر رہنا چاہیے کہ نہ اس میں افراط[1] ہو اور نہ تفریط[2] ہو یعنی غلو[3] اور انہماک[4] کو بھی جائز نہیں رکھا۔ پس یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ دین میں مبالغہ کرنا مقصود ہے یہ بھی خلافِ واقع ہے سو اس میں دو غلطیاں لوگوں کو واقع ہوئی ہیں بعض تو یہ سمجھے کہ عبادات میں خوب مبالغہ[5] کرو جتنا مبالغہ ہوگا اچھا ہوگا اس کا ایک برا نتیجہ تو یہ ہے کہ دین سے توحش و ثقل[6] پیدا ہوگا۔ دوسرا برا اثر بعض معتقدین پر یہ ہوگا کہ اس کو قبول کر کے ایسے منہمک[7] ہوں گے کہ تمام دنیا کے کاروبار کو چھوڑ کر اور ترکِ تعلقات کر کے بیٹھ رہیں گے اگرچہ وہ تعلقات واجب ہی کیوں نہ ہوں جیسے بیوی بچوں وغیرہ کا اور اس کا نام رکھا ہے آزادی و تفرد[8] و تجرد[9] کہ ہم کو خدا کے سوا کسی سے غرض نہیں نہ بیوی سے نہ بچے سے اور اس کا ثمرہ[10] آخر یہ ہوا کہ تمام حقوق واجبہ ضائع ہوگئے ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ آزادی اسی حد تک جائز ہے جہاں تک کہ شریعت نے اجازت دی ہے اور جہاں شریعت نے مقید[11] کر دیا ہے وہاں مقید[12] ہی رہنا چاہیے۔

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش　　　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

(جب کہ کسی میخ سے تجھے باندھ دیا جائے تو اسی جگہ بندھا ہوا رہنا بہتر ہے اور جب کھول دیا جائے تو خوب چستی و چالاکی دکھلا)

یعنی جب باندھ دیں بندھ جائے اور جب کھول دیں تو اچھلتا کودتا

۱- زیادتی　۲- کمی　۳- حد سے گزرنا　۴- محو ہونا کسی کام میں نہایت کوشش کرنا
۵- زیادتی　۶- دین کو بوجھ سمجھ کر اس سے دور بھاگنے لگا　۷- محو　۸- خلوت پسند ہونا
۹- تنہائی- دنیا سے علیحدگی اختیار کرنا　۱۰- نتیجہ　۱۱- پابند کیا　۱۲- پابند

پھرے۔ دیکھئے گھوڑے کی شائستگی یہی ہے کہ جب اس کو باندھا جائے تو بندھا رہے اور جب کھول کر چلایا جائے تو کھل کر چلے اور اگر وہ کھولنے پر بھی بندھ جائے یعنی چلے نہیں یا باندھنے کے بعد بھی اچھلے کودے تو وہ شریر گھوڑا ہے۔ پس اطاعت یہی ہے کہ باندھنے سے بندھ جائے اور کھولنے سے کھل جائے۔ اس وقت دنیا داروں نے تو بالکل اپنے گلے سے پٹا ہی نکال دیا ہے اور دیند اروں نے اپنے کو زاویہ میں ہی جکڑ لیا ہے۔ سو یہ سخت غلطی ہے اور بہت لوگ اس میں مبتلا ہیں اور اس غلطی سے یا تو دین سے توحش[۱] پیدا ہوتا ہے اور یا انہماک[۲] تو اصل سبب اس توحش اور انہماک کا یہی ہے کہ مبالغہ کو مستحسن[۳] سمجھا اسی مبالغہ کی نسبت فرماتے ہیں "یااهل الكتاب لا تغلوا فی دینكم"[۴] (اے اہل کتاب دین کے معاملات میں تم غلو اور زیادتی مت کرو) تو ہر چیز میں سخت ضرورت اعتدال[۵] کی ہے دنیا میں بھی اور دین میں بھی۔ اور جب معلوم ہوا کہ دین میں اعتدال مقصود ہے تو جو اس اعتدال سے نکلے گا وہ مریض روحانی سمجھا جاوے گا۔ یہ تو حقیقت کے اعتبار سے تقریر ہے۔

تکدر معصیت[۶]:

اور اثر کے اعتبار سے معصیت اس طرح مرض ہے کہ مرض سے طبیعت مکدر[۷] ہوتی ہے اور ہر معصیت میں بھی طبیعت مکدر ہوتی ہے اور اس سے پریشانی اور ضعف روحانی[۸] بڑھتا ہے اور صاحب معصیت[۹] ہر وقت پریشان اور افسردہ[۱۰] رہتا ہے اور یہ بات مشاہدہ[۱۱] کرنے کی ہے۔ میں بہ قسم کہتا ہوں! کہ

۱۔ وحشت ہو کر دوری ہوتی ہے ۲۔ محو ہونا ۳۔ اچھا ۴۔ النساء آیت۔ ۱۷۱
۵۔ میانہ روی ۶۔ گناہ کا میل ۷۔ طبیعت ملول ہوتی ہے ۸۔ روحانی کمزوری
۹۔ گناہ کرنے والا ۱۰۔ رنجیدہ ۱۱۔ غور کرنے کی یعنی دیکھنے کی

عبادت کے بعد قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو عابد محسوس کرتا ہے اور معصیت کے بعد قلب میں ایک ظلمت[1] اور تکدر ہوتا ہے جس سے قلب بالکل پژمردہ[2] ہوجاتا ہے۔ دیکھو! نمازی کی نماز اگر قضا ہوجائے تو اس کو کس قدر رنج[3] ہوتا ہے اور اگر اپنے وقت پر ادا ہوجائے تو کیسی فرحت محسوس ہوتی ہے خوب کہا ہے۔

بردل سالک ہزاراں غم بود　　　گرزباغ دل خلالے کم بود

(درویش کے دل پر ہزار غم چھاجاتے ہیں اگر ان کے دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہوجائے)

دیکھیے! اگر کسی کو نماز سے محبت ہوجائے تو اس کی حالت اہل اللہ کی سی نہ ہو لیکن پھر بھی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر اس کو کوئی ایک ہزار روپیہ بھی دے اور یہ کہے کہ تم ایک وقت کی نماز مت پڑھو تو قیامت تک نہ مانے گا۔ بلکہ اگر ہفت اقلیم[4] کی سلطنت بھی اس شرط پر اس کو دی جائے اس پر بھی لات مار دے گا۔ تو اس شخص کو نماز میں آخر کوئی شگفتگی تو ہے جس کی وجہ سے ہفت اقلیم کو بھی اس کے عوض میں ہیچ[5] سمجھتا ہے وہ یہی روحانی فرحت ہے وہ جانتا ہے کہ نماز کو چھوڑنے سے یہ فرحت جاتی رہے گی اور قلب میں اس کی جگہ ایک کدورت اور ظلمت پیدا ہوجائے گی اسی سے معلوم ہوا کہ اطاعت سے ایک نور پیدا ہوتا ہے اور معصیت سے ایک قسم کا تکدر ہوتا ہے۔

ہمت افزاء نور[6]:

اور اس نور میں یہ بھی خاصیت ہے کہ وہ قوت بخشتا ہے اور اسی طرح اس

۱۔ دل میں اندھیرا اور ملال ہوتا ہے　۲۔ دل بجھ جاتا ہے　۳۔ افسوس

۴۔ ساتوں سمندروں کی حکومت　۵۔ کم تر　۶۔ بڑھانے والا

تکدر کا خاصہ ہے کہ وہ کم ہمت اور کسل مند[1] کر دیتا ہے چنانچہ دیکھ لیجیے! اگر دو شخص قوت میں برابر ہوں مگر ان میں سے ایک متقی ہو اور ایک غیر متقی تو ان دونوں کی حرکات میں غور کرنے سے یہ تفاوت[2] نظر آئے گا۔ کہ متقی سے جو کام ہمت کا ہو سکے گا وہ غیر متقی سے نہ ہو گا۔ اور ہر کام میں جو ہمت متقی سے ظاہر ہو گی وہ غیر متقی سے کبھی نہ ہو سکے گی اور یہی راز ہے کہ صحابہ کرامؓ باوجود اپنے ضعف جسمانی کے اپنے مقابل کفار پر باوجود ان کی قوت کے غالب آگئے۔ حتیٰ کہ اہل فارس جن میں رستم جیسا شخص موجود تھا جو اپنے زمانہ کا بڑا زور آور[3] سمجھا جاتا تھا ان کے مقابلے میں صحابہؓ جیسے دبلے پتلے کمزور جب کام کا وقت آیا تو یہ کمزور قوی ثابت ہوئے اور وہ زور آور کمزور ثابت ہوئے تو یہ قوت اسی نور کی تھی جو عبادت کی وجہ سے ان کے قلب میں بلکہ رگ و پا میں سرایت کر گیا تھا اور یہی نور ہے جس کو حضور ﷺ فرماتے ہیں "اللھم اجعل فی قلبی نوراً و فی عصبی نوراً وفی لحمی نوراً و فی دمی نوراً و من تحتی نوراً و من فوقی نوراً و عن یمینی نوراً و عن شمالی نوراً و اجعلنی نوراً"۔ (یعنی اے اللہ میرے قلب میں رگ و پٹھے میں گوشت پوست میں خون میں نور پیدا کیجیے اور میرے نیچے اور اوپر داہنے اور بائیں نور پیدا کیجیے اور مجھ کو بھی نور کر دیجیے)۔ حقیقت میں اطاعت اور عبادت سے ایک نور پیدا ہو جاتا ہے اور عابد[4] کو اس کا ادراک[5] بھی ہوتا ہے اگرچہ ہم کو بوجہ اخبار صادق[6] کے بلا ادراک بھی ایمان لانا چاہیے اور اگر کوئی کہے کہ ابھی آپ نے وہ تقویٰ اختیار نہیں کیا جس سے نور پیدا ہوتا ہے ورنہ آپ دیکھتے کہ کیسا نور آپ کے قلب میں پیدا

۱۔ سست ۲۔ فرق ۳۔ طاقتور ۴۔ عبادت کرنے والا ۵۔ اس کو محسوس بھی کرتے تھے

۶۔ سچی خبروں کی وجہ سے جو بذریعہ مخبر صادق ﷺ ہم کو پہنچی ہیں بلا محسوس کیے بھی اس کو ماننا چاہیے

ہوتا ہے جس کے سامنے کسی قسم کا شغف ہی نہیں رہتا، اسی بارہ میں فرماتے ہیں "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ" (۱) (اکثر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر فتح پالیتی ہے) اور کسی کا قول ہے۔

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم   ہر کہ نظر بروئے تو کردم دم جواں شدم

(کہ میں اگرچہ بوڑھا ہوگیا لیکن جب تجھ پر نظر پڑتی ہے تو وہی جوانی کی قوت آجاتی ہے)۔ محسوسات میں اس کی تائید دیکھ لیجئے کہ: اگر کسی شخص کو کسی سے محبت ہوجاتی ہے تو اس کی کیا حالت ہوجاتی ہے کہ اس کے کسی کام میں بھی اس کو تکان (۲) نہیں ہوتا پھر اگر کسی کو خدا تعالیٰ سے اور اس کے احکام سے محبت ہوجائے تو اس کی قوت قلبی (۳) کا کیا تعجب ہے جیسا سعدیؒ کہتے ہیں۔

عجب داری از سالکان طریق   کہ باشند در بحر معنی غریق

(جو لوگ درویشی کے سیدھے راستہ پر چلنے والے ہیں تجھے سن کر تعجب ہوگا کہ وہ ہمیشہ معنی کے دریا میں غرق (۴) رہتے ہیں)

مولاناؒ فرماتے ہیں۔

خود قوی تر میشود خمر کہن   خاصہ آن خمرے کہ باشد من لدن

(پرانی شراب خود بخود زیادہ قوی ہوجایا کرتی ہے یہ خصوصیت اس شراب کی ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے)

یعنی بڑھاپے میں زور گھٹتا نہیں بلکہ اور زیادہ ہوجاتا ہے کیونکہ شراب جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی ہی تیز ہوجاتی ہے۔ تو اس نور سے باوجود ضعف جسمانی کے روحانی قوت بڑھتی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ قوت اور صحت کا روحانی

۱۔ البقرہ آیت۔ ۲۴۹   ۲۔ تھکاوٹ   ۳۔ دلی طاقت   ۴۔ ڈوبے

بھی ہے اور اس سے خروج[۱] کا نام مرض[۲] ہے اور گناہ اسی خروج کا نام ہے اور اس میں بہت زیادہ تطویل[۳] کی ضرورت نہیں کیونکہ بحمداللہ ہر مسلمان اس کو سمجھتا ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ آیا ہوں۔ یہ تو امراض تھے۔

اصلاح بلاتدبیر:

اب ان امراض کے خاص خاص معالجات ہیں کیونکہ ہر مرض کی دوا ہونا حدیث شریف میں مصرح[۴] ہے۔ مگر امراض روحانی کی دوا سے اکثر لوگ بے خبر ہیں اسی لیے اکثر لوگ گناہ کو باوجودیکہ چھوڑنا چاہتے ہیں مگر اس کے چھوٹنے کا طریقہ اور اس کا علاج معلوم نہ ہونے کے سبب ان سے نہیں چھوٹتے۔ دیکھو! اگر کوئی اچھا ہونے کا متمنی[۵] ہو مگر اس کا طریقہ معلوم نہ ہو یا کہ اس طریقہ کا استعمال نہ کرے تو کبھی اچھا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح آج کل لوگ بڑی تمنائیں کرتے ہیں بعضے تو طریقہ ہی نہیں جانتے اور بعضے جان کر بھی عمل نہیں کرتے چنانچہ اکثر لوگ بزرگوں سے کہتے ہیں کہ کچھ توجہ کردیجیے! مطلب یہ کہ ان کو کچھ نہ کرنا پڑے۔ صاحبو! ہر کام اس کے طریقے ہی سے ہوا کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے "وآتوا البیوت من ابوابھا"[۶]۔ (گھروں میں دروازوں سے آنا چاہیے) تو ہر مقصود ایک گھر ہے اور اس کا ایک دروازہ ہے کہ اگر اس سے داخل ہوا جائے تو عادۃً اس گھر میں پہنچ سکتا ہے ورنہ نہیں تو نری[۷] تمنا دارالمقصود[۸] کا دروازہ نہیں ہے اور نہ ہر تمنا کا پورا ہونا ضروری ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال　　صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

(اے عرفی اگر رونے سے وصال میسر ہو جاتا تو سو سال اس تمنا میں روتے گزارنا

۱۔ نکلنے　۲۔ بیماری　۳۔ زیادہ لمبی بات کرنے کی ضرورت نہیں　۴۔ واضح طور پر بیان کیا ہے
۵۔ خواہش مند　۶۔ البقرہ آیت ۱۸۹　۷۔ صرف　۸۔ مقصود گھر کا

چاہئے) بعض لوگ دو آنسو گرالیتے ہیں اور اس کو کافی سمجھتے ہیں۔ اسی باب میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول ہے۔

لوکان هذاالعلم يدرك بالمعنىٰ　　ماكان يبقىٰ فى البريةجاهل

(یعنی اگر علم اور اسی طرح عمل تمنا سے حاصل ہوجاتا تو دنیا میں کوئی بھی جاہل نہ رہتا)

فاجهد ولاتكسل ولاتک غافلا　　فندامة العقبى لمن يتكاسل

(پس کوشش کر سستی مت کر نہ غافل بن آخرت میں اس شخص کو شرمندہ ہونا پڑے گا جو سستی کرتا رہا)

توصاحبو! نری تمنا سے کچھ نہیں ہوتا مگر افسوس! کہ آج کل تمنائیں تو بہت ہوتی ہے لیکن کام کے طریقے سے کوئی بھی کام نہیں کرتا خوب لکھا ہے۔

ماكل ما يتمنى المرء يدركه　　تجرى الرياح بما لا تشتهى السفن

(آدمی جو تمنا کرتا ہے وہ سب پا نہیں لیتا بسا اوقات کشتیوں کی مخالف ہوائیں بھی چلا کرتی ہیں)

غرض خدا تعالیٰ نے ہر ایک کام کے لیے عادۃً ایک تدبیر[1] بتلائی ہے کہ جب اس تدبیر[2] سے وہ کام کیا جائے گا تو اس میں کامیابی ہوگی ورنہ نہیں بعضے لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ محض[3] دعا ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ صاحبو! دعا میں برکت ضرور ہے لیکن ہر جگہ اس کا بھی محل[4] نہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ مقاصد دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ ان کا اسباب[5] سے کچھ تعلق نہیں وہاں تو باستثناء ممتنعات[6] عقلیہ یا شرعیہ دعا کا صرف یہ اثر ہے کہ بصورت استجابہ وہ مقصود بلا

۱۔ طریقہ　۲۔ طریقہ　۳۔ صرف　۴۔ موقع

۵۔ جیسے بارش کہ جب اللہ چاہتے ہیں اس کے لیے کوئی سبب نہیں ہے کہ وہ اختیار کریں تو بارش ہوجائے بجز دعا کے

۶۔ جن چیزوں کا عقلاً یا شرعاً واقع ہونا ممکن نہیں وہ دعا کرنے سے بھی واقع نہیں ہوں گی بلکہ ایسی دعا کرنا بھی درست نہیں جیسے یہ دعا کرے کہ آسمان میرے پیروں کے نیچے ہوجائے وغیرہ عقلاً ممکن ہے تمنا حیات شرعیہ جیسے یہ دعا کرے کہ میں طلاق دوں اور نکاح نہ ٹوٹے تو یہ دعا بے کار ہے جب طلاق دے گا نکاح ٹوٹ جائے گا

تدبیر حاصل ہوجائے گا اور بعض کام عادۃً تدبیر پر موقوف[۱] ہیں ان میں باستثناء خوارق[۲]، دعاء کا وہ اثر نہ ہوگا۔ جو پہلی قسم کے کام ہیں ہوا بلکہ ان میں دعاء کا اثر یہ ہوگا کہ اگر تدبیر کی جائے گی تو اس تدبیر میں برکت ہوگی اور اگر تدبیر نہ کی جائے گی تو کچھ بھی نہ ہوگا اور اسی سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ جب کاموں کا مدار تدبیر پر ہے تو پھر دعا کا ان میں کیا دخل اور اثر ہوا؟ سو وہ اثر یہ ہوا کہ تدبیر میں برکت ہوگی اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے زراعت کہ اگر کوئی تخم پاشی ہی نہ کرے اور دعا کرے کہ غلہ پیدا ہوجائے تو عادۃً ہرگز پیدا نہ ہوگا اور خرق عادت[۳] میں کلام نہیں ہے مگر وہ دائم نہیں[۴]۔ تو وہاں اس کی ضرورت ہے کہ تخم پاشی کرو[۵] اس کے بعد دو حالتیں ہیں۔ پیدا ہونا۔ یا نہ پیدا ہونا۔ جو متعلق ہے مشیت[۶] کے۔ تو یہاں تعلق مشیت کے لیے دعا کی جائے گی کہ آپ اس میں اپنی مشیت[۷] سے غلہ پیدا کردیں۔ اور یہی حالت ہے اپنی اصلاح اعمال[۸] و ترک معاصی کی۔ ہر مقام پر نری دعا کو کافی سمجھنا غلطی ہے آج کل بھی اصلاح چاہتے ہیں مگر تدبیر نہیں کرتے صرف دعاء پر اکتفاء کرتے ہیں۔ تو صاحبو! تدبیر کرو! کامیابی ہوگی۔ ورنہ دوسری ایسی مثال ہے کہ اگر کوئی شخص کمر بند کھول کر کھڑا ہوجائے اور دعا کرے کہ بند بندھ جائے۔ تو ہرگز بھی نہ بندھے گا۔ آپ نے سمجھ لیا کہ دعا کا کیا اثر ہے۔ اور یہ بھی معلوم کرلیا۔ کہ وہ بعض جگہ ناکافی ہے۔

سہولت کی ناقدری

حاصل یہ کہ لوگوں نے ناکافی تدابیر تجویز کر رکھی ہیں۔ اور کافی تدابیر ان

۱۔ یعنی اس کام کی تدبیر کریں گے تو وہ کام ہوگا صرف دعا سے نہیں، جیسے اولاد کی دعا کرنا بغیر نکاح کیے
۲۔ ہاں خلاف عادت اللہ بطور معجزہ یا کرامت ایسا کردے تو ممکن ہے
۳۔ عادت کے خلاف بطور کرامت ہوسکتا ہے
۴۔ مگر وہ ہمیشہ نہیں ہوتا
۵۔ بیج بولو
۶۔ جس کا تعلق اللہ کے چاہنے سے ہے
۷۔ آپ نے اللہ اس میں غلہ پیدا فرمادیں
۸۔ اعمال کی درستگی اور گناہوں کا چھوڑنا

کی وہ ہی ہیں جو قرآن و حدیث شریف نے بتائی ہیں۔ مگر ہم لوگ ان کو بالکل نہیں ڈھونڈتے اور یہ بہت بڑا علم ہے جو علی العموم مسلمانوں سے مخفی[1] ہورہا ہے بلکہ اکثر اہل علم سے بھی کہ اس فن کی کتابوں میں غور نہیں کرتے اس لیے وہ علم ظاہر نہیں ہوتا بلکہ یہ لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں وہ بھی اس نظر سے نہیں پڑھتے کہ اس میں معالجات امراض کو سمجھیں کہ اس میں عجیب معالجات ہیں۔ چنانچہ اس آیت شریفہ میں بھی ایک سخت مرض کا ایک سہل[2] علاج بتلایا ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کو محض اس وجہ سے قدر نہیں کہ بہت سہل علاج ہے۔ اور لوگوں کا طبعی امر ہے کہ جو چیز سہل طریق سے حاصل ہو اس کی قدر نہیں ہوتی۔ اور جو عجیب طور پر حاصل ہو اس کی قدر ہوتی ہے۔ ہمارے استاذ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ انبیٹہ میں ایک دولت مند شخص کو بہت سخت مرض تھا کہ خلط سودا[3] کا بہت زور ہوگیا تھا مولانا کو بلایا گیا تو مولاناؒ نے اس کے لیے افتیمون[4] تجویز فرمایا اور ان لوگوں نے ارزاں دوا سمجھ کر ٹال دیا وہاں ایک نابینا حافظ جی رہتے تھے ان سے علاج پوچھا گیا انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص افتیمون ہی بتلاتے ہیں انہوں نے لوگوں سے ذکر کیا لوگوں نے حضرت مولاناؒ سے ذکر کیا مولاناؒ خوش مزاج بہت تھے حافظ جی سے پوچھا! کہ خواب میں میں تو نہ تھا۔ تو حافظ جی کہتے ہیں جی ہاں! آواز تو ایسی ہی تھی اور پھر اس کا استعمال کیا۔ یہ مثال اس پر یاد آگئی کہ یہ نسخہ چونکہ نہایت سہل تھا اس لیے اس کی قدر نہیں کی گئی اس طرح ہمارے مولانا نے ایک شخص کو جامن کی کونپل[5] بتلائی تھی وہ بھی بڑے آدمی تھے کچھ التفات نہ کیا اکثر سہل الوصول[6] چیز کی وقعت کم ہی ہوتی ہے

۱- پوشیدہ ۲- آسان ۳- انسان کے جسم کے چار خلطوں میں سے ایک کا نام ہے سودا جس کی کثرت کے باعث جنون یا پاگل پن پیدا ہوجاتا ہے ۴- ایک دوا کا نام ہے
۵- جامن کے نئے نکلے ہوئے باریک پتے کو کونپل کہتے ہیں ۶- آسانی سے ملنے والی چیز

مولانا بعنوان شکایات فرماتے ہیں۔

ای گراں جاں خوار دیدستی مرا — زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

ہر کہ اوارزاں خرد ارزاں دہد — گوہرے طفلے بقرصے ناں دہد

(اے بڑے آدمی تو مجھ کو ذلیل سمجھ رہا ہے اس لیے کہ تو نے مجھ کو بہت سستا خرید لیا ہے۔ جو سستا خریدتا ہے وہ سستا ہی فروخت بھی کردیتا ہے مثلاً بچہ قیمتی موتی کو ایک روٹی کے بدلے میں دے دے گا)

غرض جو معالجات سہل ہوتے ہیں ان کی قدر نہیں کی جاتی اس لیے اطباء بعض اوقات دوا کی قدر بڑھانے کو ورق نقرہ[۱] وغیرہ بڑھا دیتے ہیں، تاکہ مریض کو قدر ہوجائے۔ مگر ارزانی[۲] کو دلیل قلت نفع کی قرار دینا[۴] خود یہی غلطی ہے۔ اکثر تو یہی ہے، کہ جس قدر کوئی چیز نافع[۳] ہے اسی قدر وہ زیادہ ارزاں ہے، جیسے "ہوا" کہ نافع تو اس قدر کہ مدار زندگی اسی پر ہے۔ اور ارزاں اتنی کہ بالکل بے قیمت۔ "ہوا" کے بعد "پانی" ہے کہ وہ "ہوا" کے برابر نافع نہیں اس لیے اتنا تو سستا نہیں مگر چونکہ اور دوسری تمام چیزوں سے زیادہ نافع ہے اس لیے اور سب چیزوں سے سستا ہے تو اسی طرح سوچتے چلے جائیے معلوم ہوگا کہ جتنی کوئی چیز بیکار ہے اتنی ہی وہ گراں[۵] ہے حتیٰ کہ سب سے زیادہ گراں جواہرات ہیں۔ پھر دیکھ لیجیے! کہ ان کا فائدہ سوائے تفاخر[۶] کے اور کیا ہے ہزاروں غرباء نے کبھی موتی کی شکل میں بھی نہیں دیکھی چنانچہ خود میں نے عمر بھر میں کل اب تک ایک مرتبہ لکھنؤ میں ایک سوداگر سے درخواست کرکے یہ جواہرات دیکھے ہیں غرض جواہرات جو سب سے نکمے ہیں وہ سب سے گراں ہیں اگرچہ چاہیے تو یوں تھا کہ

۱- چاندی کا ورق ۲- سستے پن ۳- فائدہ مند ۴- کم فائدہ مند ہونے کی دلیل ۵- مہنگی۔ قیمتی

جتنی زیادہ ضرورت کی کوئی چیز ہوتی اتنی ہی گراں ہوتی لیکن چونکہ اس میں سخت دشواری ہوتی اس لیے رحمت خداوندی ﷺ نے اس کے برعکس معاملہ کیا کہ ضرورت کی چیزوں کو ارزاں بنایا اور بیکار چیزوں کو گراں کردیا بلکہ جو سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہے اس میں طلب کی بھی ضرورت نہیں۔ دیکھو! اگر سانس کو بھی کہ ایک ہوا ہے اور ہر وقت ضروری پانی کی طرح بہ قصد[1] لینا پڑتا تو ہر وقت کی مصیبت تھی بالخصوص سونے کے وقت تو مر ہی جایا کرتے کیونکہ اس وقت قصد[2] ممکن نہیں۔ تو خداتعالیٰ کی رحمت دیکھیے! کہ اس کو کیسا یسیر الحصول[3] کردیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی ارزانی اس کی بے وقعتی کی دلیل نہیں ہے پس امراض روحانی کا علاج بھی ایسا ہے کہ سب سے زیادہ ضروری ہے اور سب سے آسان، سہل۔ یہ تمہید میں نے اس لیے عرض کی کہ اس مقام پر مرض کی صعوبت[4] اور علاج کی آسانی کو دیکھ کر اس علاج کی بیقدری نہ ہو۔

امتداد گناہ[5]:-

اب سنو! کہ وہ علاج کیا ہے اور سننے کے بعد اس کو برتو۔ اور پہلے ہی اس کی بے وقعتی[6] نہ کرو۔ وہاں اگر برتنے سے بھی مفید ثابت نہ ہو تو بے شک بے کار اور غیر مفید ہونے کی اطلاع کرکے ہم سے جواب لو۔ دیکھو! اگر طبیعت کوئی علاج بتلائے تو اول اس کو برتا جاتا ہے پھر اس کی نسبت مفید یا غیر مفید ہونے کی رائے قائم کی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ نسخہ سنتے ہی اس کو ردی کردیا جائے۔ اسی طرح جو علاج یہاں بتلایا جارہا ہے اول اس کو استعمال کرو اس کے بعد پھر شبہ کرو! اب میں مرض اور علاج بتلاتا ہوں اور تحدث بالنعمۃ[7] کے طور پر یہ بھی ظاہر

۱- ارادہ کرکے ۲- ارادہ ۳- آسانی سے حاصل ہونے والا ۴- سختی ۵- مسلسل گناہ
۶- اس کی قدر کم نہ کرو ۷- اللہ نے جو انعام مجھ پر کیا ہے اس کے ذکر کے طور پر

کرتا ہوں! کہ ان آیتوں سے جو بات اس وقت بیان کرتا ہوں اس کے قبل یہ بات کبھی سمجھ میں نہیں آئی تھی یہ علم تھوڑا ہی زمانہ ہوا کہ عطا ہوا ہے اور چونکہ بے حد مفید تھا۔ اس لیے جی چاہا کہ۔ع

حلوا بہ تنہا نبایست خورد (حلوا تنہا نہ کھانا چاہیے)

سو وہ مرض یہ ہے کہ بسا اوقات انسان گناہ چھوڑنا چاہتا ہے لیکن وہ نہیں چھوٹتا یعنی دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ گناہ کی پروا ہی نہیں کرتے اور بعض وہ ہیں کہ گناہ کو چھوڑ دیتے ہیں لیکن وہ پھر ہوجاتا ہے پھر چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے بعد پھر مبتلا ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ بعضوں کی تمام عمر اسی میں گذر جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ اس سے نہیں چھوٹتا۔ سو اول تو معصیت خود مرض دوسرے اس کی معاودت مرض[۱] پھر اس میں کچھ معصیت کے اثر سے بھی اور کچھ ارادہ ترک میں ناکافی کی وجہ سے بھی کوفت ہونا کہ یہ جسمانی اذیت ہے۔ پھر ممتد[۲] اتنا کہ عمر بھر نہیں چھوٹتا جس سے عمر بھی یہ تکلیفیں جمع رہتی ہیں چنانچہ مجھ سے ایک بوڑھے شخص نے اپنی حالت بیان کی کہ میں ایک مرض میں ابتدائے عمر سے مبتلا ہوں اور اس وقت قبر میں پیر لٹکائے بیٹھا ہوں لیکن ابھی تک وہ مرض موجود ہے۔ وہ بے چارے کہتے ہوئے شرماتے تھے مگر چونکہ اس کے ضرر کو جانتے تھے اس لیے باوجود شرم کے کہہ رہے تھے کیونکہ۔ع

نتواں نہفتن درد از طبیباں (طبیبوں سے مرض چھپایا نہیں جاسکتا)

میں طبیب ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ لیکن وہ ایسا سمجھتے تھے اور جب کوئی مشفق خیر خواہ جاننے والامل جائے تو ایسے موقع پر چھپانا نہ چاہیے۔ کیونکہ چھپانا یا تو اس لیے ہوتا ہے کہ یہ شخص ہم کو حقیر سمجھے گا اور یا اس لیے ہوتا ہے کہ دوسروں

۱۔ عادت کر لوٹنا ۲۔ طویل

کو کہتا پھرے گا سو بحمد اللہ ان حضرات میں یہ دونوں احتمال نہیں اس لیے ایسے لوگوں سے کہنے میں کچھ پرواہ نہ کرنا چاہیے اور اظہار گناہ سے جو ممانعت آئی ہے وہ اس وقت ہے جبکہ محض براہ بے باکی ہو جیسے تفاخراً[۱] کہا کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ معالجے کے لیے ظاہر کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ غرض ان بزرگ نے اپنا ایک مرض جو کہ بچپن سے آخر عمر تک تھا بیان کیا اسی طرح بعض لوگوں کو جھوٹ بولنے کا مرض ہو جاتا ہے یا نظر بازی[۲] کا۔ کہ بعض اوقات تو یاد نہیں رہتا۔ اور بعض اوقات آدمی مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور پھر ارتکاب کے بعد نادم[۳] ہوتا ہے۔ مگر وہ پھر ہو جاتا ہے۔ غرض ہر گناہ جس کی بار بار معاودت[۴] ہو اس میں ایسا ہی ہوتا ہے سو عقل کے موافق اس کا علاج بھی سخت ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ اہل عقل نے جو اخلاق کی درستی کی تعلیم کی ہے تو انہوں نے اس کے لیے سخت سخت علاج تجویز کیے ہیں جن کا حاصل مجاہدہ ہے۔ مثلاً تکبر کا علاج یہ تجویز کیا ہے کہ متکبر سے چھوٹوں کی تعظیم کرائی اور مدت تک ایسے کاموں پر مجبور کیا جن میں نفس کو ذلت ہو تو اصل باقاعدہ علاج یہی مجاہدہ ممتدہ[۵] ہے۔ ایک حکیم کہتے ہیں۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامی — بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

(تصوف اختیار کرنے والا اس وقت تک پاکیزہ مزکی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ شراب معرفت کا جام نوش نہیں کر لیتا اور ہر ناپختہ کو پختگی حاصل کرنے کے لیے بہت محنت و مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے)

پس ایسی ایسی مشقوں کے بعد کچھ فائدہ محسوس ہوتا ہے۔ اور اسی قسم کے علاج سے تمام تصوف کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ احیاء[۶]؛ اور قوت

۱۔ بطور فخر کے — ۲۔ نامحرموں کو دیکھنے — ۳۔ شرمندہ — ۴۔ بار بار کرنے کی عادت

۵۔ طویل مجاہدہ — ۶۔ احیاء العلوم کتاب کا نام ہے

القلوب[1]، میں اسی طرز کے علاج کو مفصلاً[2] ذکر کیا گیا ہے، اور یہ اس قسم کے علاج ہیں کہ ایک ایک مرض کے علاج کے لیے عمر چاہیے، اسی لیے حضرات متاخرین[3] نے ان علاجوں کی جگہ دوسرا اس سے سہل[4] علاج اختیار کیا۔ اور وہ خلوت و کثرت ذکر ہے۔ مگر پھر بھی وہ اتنا سہل نہیں کہ ہر شخص اور ہر مشغول اس کو اختیار کرسکے مثلاً جیسے ایک تاجر ہے کہ وہ خلوت میں نہیں رہ سکتا تو ان دونوں طرزمیں سے اس کے لیے ایک بھی کار آمد نہیں تو بظاہر یہ غریب محروم ہی رہا حالانکہ۔

ہنوز آں ابر رحمت درفسانت　　　خم و مخانہ بامہر و نشانست

(ابھی تک وہ رحم کا بادل موتی برسارہا ہے شراب کا مٹکا اور میخانہ سب پر مہر اور نشانی لگی ہوئی ہے) اور۔

چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست

(اللہ تعالٰی کے دستر خوان پر دوست دشمن سب برابر ہیں)

تو ایسوں کے لیے کونسی تدبیر ہونا چاہیے جوان کو بھی سہل ہے۔ سوالحمد اللہ! ثم الحمد اللہ! کہ اول خدا تعالٰی نے وہ تدبیر بلاواسطہ قلب میں ڈالی اور پھر اس پر اس قدر اطمینان ہوا کہ اس میں ذرا شک و شبہ نہ رہا جس کے بعد اپنے بہت احباب کو بتلایا اور خود بھی اس کو برتا۔ اور آزمایا سو بحمد اللہ مفید ثابت ہوا اور بالکل حق الیقین ہوگیا کہ یہ نافع ہے۔ اس کے بعد خدا تعالٰی کا دوسرا فضل یہ ہوا کہ ابھی تک اس میں جو ایک کمی تھی کہ وہ معالجہ بوجہ اس کے کہ علوم القائیہ ظنی[5] ہوتے ہیں اور تجربہ میں احتمال خصوصیت مزاج کا بھی ہوتا ہے ظنی سمجھا جاتا تھا، آج وہ بھی جاتی

۱۔ کتاب کا نام　۲۔ تفصیل سے　۳۔ بعد کے علماء　۴۔ آسان　۵۔ وہ علوم جو بطور الہام اللہ پاک اہل حق کے دل میں القاء کرتے ہیں یہ یقینی نہیں ہوتے جیسے قرآن وحدیث سے ثابت شدہ اس لیے ان کو ظنی کہتے ہیں

رہی اور آج ہی قرآن مجید میں اس معالجہ[1] کا منصوص[2] اور مفید ہونا معلوم ہو گیا اگرچہ اس کا معنی اب بھی ظنی ہے کہ اس آیت کی دوسری تفسیر بھی ہو سکتی ہے مگر ثبوتاً تو مظنون[3] نہیں رہا گو دلالۃً مظنون[4] ہو تو وہ تدبیر۔ وہ ہے جو اس آیت میں بتلائی گئی ہے۔

ملکات اعمال:۔

اب میں اول آیت کا ترجمہ کرتا ہوں۔ اس آیت کے قبل بعض وعیدوں اور بعضے گناہ کرنے والوں کی حالت کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں "الا من تاب و آمن" الخ. جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گناہ کا علاج "توبہ" ہے مگر اس کو سنکر آپ سامعین بد اعتقاد نہ ہو جائیں کہ یہ تو معمولی بات نکلی جو پہلے سے موہوم ہے سو ابھی بات تم نے سنی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے تو ان کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا تو خدا تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کے باب میں (جبکہ اس کے شرائط بھی پائے جائیں جن میں ایک ایمان ہے کیونکہ کافر کی توبہ مقبول نہیں۔ اور دوسرا عمل صالح ہے) یہ فرمایا ہے کہ اس کی برائیاں مبدل بہ حسنات[5] ہو جائیں گی اور یہ دوسری شرط یعنی عمل صالح قبول توبہ کے لیے تو نہیں کیونکہ بالاجماع خود گناہ معاف ہونے میں اس کی ضرورت نہیں کہ دوسرے نیک عمل بھی کرے صرف توبہ بطریقہا ہے کافی[6] ہے لیکن "اولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنت" (یہی وہ لوگ ہیں جن کی

۱۔ علاج ۲۔ تحریری حکم ۳۔ مگر ثابت ہونے کے اعتبار سے اب ظنی نہیں ہے کیونکہ قرآن سے اس کی دلیل مل گئی ہے ۴۔ دلالت کے اعتبار سے ابھی ظنی ہے اس لیے کہ اس آیت کی ایک دوسری تفسیر بھی ہے

۵۔ اس کی برائیاں نیکیوں سے بدل جائیں گی ۶۔ توبہ اس کے طریقہ کے مطابق کرنا کافی ہے گذشتہ گناہ پر ندامت آئندہ نہ کرنے کا عزم حقوق کی ادائیگی

برائیوں کے بدلہ میں اللہ تعالی نیکیاں عطا فرمادیتے ہیں) میں اس دوسری شرط کی ضرورت ہے اور تفسیر اس تبدیل سیئات[1] کی مختلف ہے اور یہ مسئلہ اس آیت سے اس تفسیر کی بناپر ماخوذ[2] ہے جو میں عرض کر رہاہوں۔ درسری تفسیر کی بناپر نہیں لیکن اگر کوئی دوسری تفسیر کو بھی اختیار کرے تو ہمارے مقصود میں مضر نہیں کیونکہ اس علاج کا نافع[3] ہونا تجربہ سے بھی ثابت ہوچکا ہے تو ایک تفسیر تو اس کی یہ ہے کہ قیامت کے دن بعض بندوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا کہ اول ان کے بعضے گناہ ظاہر کیے جائیں گے اور وہ ڈریں گے کہ اب دوسروں کی نوبت آئے گی مگر رحمت سے ان کو کہا جائے گا کہ اچھا ہم نے گناہوں کو معاف کیا اور ان کے برابر نیکیاں تم کو دیں اس وقت وہ بندہ عرض کرے گا۔ یاالہیٰ میں نے تو اور بھی گناہ کیے ہیں تو بعض نے اس قصے سے اس کی تفسیر کی ہے مگر یہ تفسیر میرے نزدیک اس لیے مرجوح[4] ہے کہ خود اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاملہ سب کے ساتھ نہ ہوگا اور یہاں ہر تائب کے لیے یہ حکم فرمایا گیا ہے تو راجح تفسیر وہی ہوئی جو میں عرض کرتاہوں اور وہ بھی سلف[5] سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ سیئات سے مراد ملکات سیئات ہیں اور حسنات سے مراد ملکات حسنات ہیں۔ یعنی ہر عمل کے دو مرتبے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس کو تکلف[6] سے کیا جائے یا اتفاقاً صدور[7] ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ اس کا ملکہ[8] ہوجائے۔ اول کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بچہ اتفاق سے ایک جیم نہایت اچھی لکھ دے تو یہ ملکہ نہیں بلکہ اتفاق ہے۔ میرے ایک عزیز نے

۱۔ گناہوں کو نیکیوں سے بدلنے کی تفسیر ۲۔ نکالا گیا ہے ۳۔ مفید ۴۔ راجح نہیں ہے
۵۔ پہلے بزرگوں سے ۶۔ زور کرکے اپنے اختیار سے ۷۔ بالاتفاق انسان اس کو کر گزرے
۸۔ اس پر قدرت ہوجائے

ایک مرتبہ بے ساختہ ایک شعر لکھ دیا تھا کہ جو نہایت ہی لاجواب تھا لیکن ایک کے بعد پھر دوسرا باوجود تعب[۱] کے بھی نہیں لکھ سکے وہ شعر یہ تھا۔

نظر جب سے آئی نہیں تیری صورت عجب قابل دید ہے میری صورت

تو یہ شعر تو اتنا عجیب ہے کہ لاثانی ہے مگر چونکہ ان کو فن میں علماً و عملاً ملکہ نہ تھا اس لیے خود اس کی بھی خبر نہ تھی کہ یہ شعر ممتنع النظیر[۲] ہے چنانچہ جب دوسرے شعر سے عاجز ہو کر تنگ ہوگئے تو اپنے استاذ سے جا کر عرض کیا انہوں نے کہا ظالم! اس میں تیری میری قافیہ ہے تو قافیہ کہاں سے لائے گا۔ علیٰ ہذا میرے ایک دوست نے اپنے وعظ میں لکھنؤ کے ایک سقے[۳] کا ایک مصرعہ سنایا تھا کہ اس کے سامنے کسی نے بارش کے وقت ایک مصرعہ پڑھا تھا۔ع

اگر یوں ہی پانی برستا رہے گا۔

تو اس سقے نے فوراً دوسرا مصرعہ کہا کہ۔ع

تو کا ہے کو گلیوں پھرتا رہے گا

یہ تو سب اتفاقیات ہیں یا اسی طرح کوئی تکلف کرکے کہدے تو وہ ہر دفعہ نہ کہہ سکے گا اسی طرح اعمال حسنہ بھی کبھی تو تکلف سے ادا ہوتے ہیں جیسے بعض کو نماز کی عادت نہیں ہوتی مگر مارے باندھے پڑھتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمن صاحب مرحوم ایک مرتبہ تہجد کے وقت مسجد میں تشریف لائے سب پڑے سوتے تھے آپ نے ان کو ڈانٹا کہ کم بخت پڑے سوتے ہیں اور تہجد نہیں پڑھتے تو سب کے سب خوف سے اٹھ کر بے وضو ہی پڑھنے لگے۔ لیکن چونکہ عادت نہ تھی۔ بس ایک ہی دن میں ختم بھی کردی۔ یا جیسے ساڈہورہ[۴] کے ایک پیر زادے کا واقعہ ہے کہ ان کو ایک مولوی صاحب نے زبردستی نماز میں کھڑا کیا نیت بندھوائی۔ تو ان پیر

۱۔ کوشش کرکے ۲۔ اس کی نظیر لانا ممکن نہیں ۳۔ ماشکی ۴۔ جگہ کا نام

زادے نے نیت میں بھی کہا کہ نماز ظہر کی منہ طرف قبلہ کے۔ ظلم اس مولوی صاحب کا۔ واقعی بعض لوگ تو محض ظلم ہی سے نماز پڑھتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے بعضے کالج ایسے ہی ہیں کہ وہاں کے اکثر طالب علم محض قلما غلطی نماز پڑھتے ہیں۔ تو یہ عمل تکلف سے تھا۔ اور ایک عمل ہوتا ہے ملکہ[1] کے بعد جس سے قلب میں خود تقاضا نیکی کا پیدا ہوتا ہے علی ہذا گناہ سے بچنا بھی کہ اس میں بھی کبھی تو ملکہ کا درجہ ہوتا ہے، اور کبھی محض تکلف سے اجتناب[2] ہوتا ہے۔ تو صدور[3] بھی دو طرح ہوا اور اجتناب[4] بھی دو طرح ہوا۔

عمل بے ملکہ:۔

تو جو عمل بے ملکہ[5] کے ہوگا اس کو پائیداری نہیں ہوگی اس کی حالت یہ ہوگی کہ۔ع

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند[6]

اور جو عمل ملکہ کے ساتھ ہوتا ہے اس کو دوام ہوتا ہے عراقیؔ اسی کی تمنا میں کہتے ہیں۔

صنما! رہ قلندر سزدار بمن نمائی — کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

[اے محبوب میرے لیے قلندروں والا راستہ یعنی عشق کا راستہ مناسب ہے وہی راستہ مجھے دکھادے کیونکہ پارسائی پرہیزگاری یعنی شریعت کا راستہ تو بڑا لمبا ہے۔]

یعنی وہ محبت اور عشق کا رستہ دکھادے جس سے عمل پر رسائی ہو اور یہ تکلف کی پارسائی کا رستہ تو بہت دور دراز ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک

۱۔ عادت ہوجانے کے بعد ۲۔ بچنا ہوتا ہے ۳۔ ارتکاب ۴۔ رکنا، بچنا ۵۔ بغیر عادت

۶۔ اگر رہے گا تو ایک رات رہے گا دوسری رات نہیں رہے گا

گاڑی کو تو مزدور لے جائیں جب چھوڑ دیں گے کھڑی ہو جائے گی اور ایک کو انجن لے جائے جس میں اسٹیم بھری ہو۔ بس یہی فرق ہے تکلف اور ملکہ میں۔ اب سمجھیے! کہ ہر شخص جس میں ذرا بھی تدین[۱] ہوگا گناہ کو چھوڑنا چاہیے مگر اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پھر بھی نہیں چھوٹ سکتا بلکہ کشا کش ہوتی ہے تو وجہ اس کی یہی ہے کہ اس کا ملکہ حاصل نہیں اور جس عمل میں ملکہ مساعد[۲] نہ ہوگا اس کا فعل یا ترک[۳] دونوں نہایت دشوار ہوں گے کیونکہ ملکہ تو ہے اور بات کا[۴] اور کوشش کرتا ہے اس کے خلاف کی تو دشواری ہی ہوگی تو اصل تدبیر یہ ہے کہ اول گناہ کا ملکہ کم کیا جائے بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ زیادہ کھانے سے گناہ کا صدور (ے) ہوتا ہے تو اس کو دور کرو۔ اور اس کے دور کرنے کے لیے بظاہر عمرے باید[۵]۔ کیونکہ جتنا پرانا مرض ہوتا ہے اتنا ہی طویل زمانہ اس کے زائل ہونے کے بھی چاہیے وہ جلد زائل نہیں ہوتا چنانچہ مشہور ہے کہ جب محمود غزنویؒ ہندوستان میں آئے تو سومنات میں ایک ہندو کو ایک بت کے سامنے مراقب بیٹھا ہوا دیکھا ایک سپاہی نے للکار کر اس سے کہا کہ کہو! "لاالہ الا اللہ" ورنہ تلوار سے گردن اڑائے دیتا ہوں! اس نے کہا ذرا ٹھہرو! کہتا ہوں! جب تلوار ہٹالی! تو چپ ہو رہا! کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا! سپاہی نے کہا تو کئی بار حیلے کر چکا ہے اب کی بار میں نہ چھوڑوں گا! ورنہ کلمہ پڑھ! تب اس ہندو نے کہا! کہ میاں سپاہی چاہو مارو چاہو چھوڑو! اتنی جلدی تو کلمہ نہیں پڑھ سکتا۔ دیکھو میری عمر نوے برس کی ہے تو نوے برس کا "رام" تو نکلتے ہی نکلے گا۔ مسلمان تو ہو جاؤں گا۔ مگر مجھے دو چار دن کی مہلت دو!۔ دیکھو! پرانا مرض اس دشواری سے جاتا ہے۔

۱۔ دینداری ۲۔ عادت مددگار نہ ہو ۳۔ کام کرنا یا نہ کرنا
۴۔ عادت تو ہے دوسری بات کی ۵۔ در کار ہے ۶۔ طویل عمر چاہیے

ایک تائب چور کی حکایت[1]:۔

ایک اور حکایت یاد آئی کہ ایک چور کسی بزرگ سے بیعت ہوگیا اور چوری سے توبہ کی اور خانقاہ میں رہنا شروع کیا۔ رات ہوتی تو چوری کا جوش ہوتا مگر عہد[2] یاد آتا تو طبیعت کو روکتا آخر جب طبیعت بہت بے چین ہوتی تو اٹھتا اور تمام لوگوں کے جوتے ادھر سے ادھر ادھر کردیتا اور پھر سوجاتا تمام لوگ سخت پریشان ہوتے آخر ایک دن لوگوں نے ان کو دیکھ لیا اور پکڑ کر پیر صاحب کے پاس لے گئے۔ پیر صاحب نے پوچھا کہ بھائی یہ کیا حرکت ہے تونے تو توبہ کرلی تھی کہنے لگا جناب میں نے چوری سے توبہ کرلی ہے ہیرا پھیری سے نہیں کی۔ بات یہ ہے کہ میں رئیس السارقین[3] ہوں پچاس برس کی بری عادت ہے ہر روز رات کو قلب میں تقاضا پیدا ہوتا ہے مگر چونکہ آپ سے عہد کیا ہے اس لیے روکتا ہوں جب تقاضے سے مجبور ہوتا ہوں تو نفس کو اس پر راضی کرتا ہوں کہ لوگوں کے جوتے ادھر سے ادھر کردوں گا یہ بھی ایک قسم کی چوری ہے اب آپ کو اختیار ہے اگر آپ اس کو چھڑائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ میں پھر چوری کرنے لگوں گا پیر صاحب نے کہا کہ اچھا تم کو ہیرا پھیری کی اجازت ہے۔ تو جس چیز کا ملکہ ہوتا ہے وہ ضرور بار بار عود[4] کرتا ہے۔

احوال سلوک[5]:۔

اور یہاں ایک فائدہ بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ وہ یہ کہ کبھی سالک کو بعد خلوات[6] و ریاضات کے بھی میلان ہوتا ہے معاصی کی طرف اور اس میں آکر

۱۔ توبہ کرنے والے ۲۔ چوری نہ کرنے کا کیا ہوا وعدہ ۳۔ چوروں کا سردار

۴۔ جس چیز کی عادت ہوتی ہے اس کا بار بار ارتکاب ہوتا ہے ۵۔ تصوف کی راہ چلنے والوں کے حالات

۶۔ تنہائی اختیار کرنے اور بہت سی ریاضتیں کرنے کے باوجود گناہ کی رغبت ہوتی ہے

شیوخ[1] پریشان ہوجاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اذکار و اشغال[2] سب بیکار گئے کامیابی نہیں ہوئی سو یہ غلط ہے۔ ذکر و شغل[3] نافع ہوا لیکن اس کا نفع یہ نہیں ہے کہ میلان[4] ابھی نہ رہے البتہ جو تقاضا قبل مجاہدہ ہوتا تھا کہ اس کا دفع[5] و مقابلہ دشوار تھا اب مقابلہ آسان ہے باقی نفسِ میلان وہ گاہ گاہ[6] ہوسکتا ہے اور اس میں دھوکا اس سے ہوجاتا ہے کہ اکثر ابتداء سلوک[7] کی حالت میں بالکل میلان نہیں رہتا اس سے خیال ہوتا ہے کہ منتہی[8] کو بدرجہ اولیٰ نہ ہونا چاہیے حالانکہ یہ قیاس غلط ہے کیونکہ سالک کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اول اول ولولہ[9] میں اس کو گناہ سے سخت نفرت ہوجاتی ہے اس لیے کہ اس وقت ذکر کی لذت کا غلبہ ہوتا ہے اور پھر یہ لذت اخیر تک نہیں رہتی جیسا کہ ہر کام کا قاعدہ ہے کہ ابتداء میں اس میں لذت ہوتی اور اس کا غلبہ ہوتا ہے پھر آخر میں مساوات[10] سی ہوجاتی ہے۔ اسی مضمون کو حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ ایک مرتبہ ایک مرید کے جواب میں، کہ انہوں نے سابق جیسی لذت ذکر میں نہ ہونے کی شکایت کی تھی، بطور لطیفہ کے فرماتے تھے کہ میاں پرانی جورو ماں ہوجاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ لذت کا جوش جو ابتداء میں ہوتا ہے وہ اخیر میں نہیں رہتا۔ پس بیوی کے متعلق اتنا ہی کام رہ جاتا ہے کہ ماں کی طرح وہ ان کی خدمت کرے۔ ایک بھولے سیدھے نواب صاحب کی حکایت سنی ہے کہ ان کی بیوی مر گئی تھی کلکٹر تعزیت کے لیے آئے اور کہنے لگے کہ "ہم کو افسوس ہوا کہ آپ کی بیوی مر گیا"۔ اسی پر نواب صاحب فرماتے ہیں کہ "جناب وہ بیوی نہ تھا ہمارا اماں تھا"۔ اسی طرح ابتدائی ذکر میں لذت

۱۔ بڑے بڑے بزرگ ۲۔ تسبیحات و مناقب و مجاہدات ۳۔ مفید ہے
۴۔ اس کا تقاضہ بھی نہ ہو ۵۔ دور کرنا ۶۔ کبھی کبھی ۷۔ نیکی کی راہ چلنے والے کو ابتدائی حالات میں
۸۔ جو طریقت کے انتہائی درجہ کو پہنچ جائے ۹۔ جوش ۱۰۔ عادت

ذکر کا جوش ہوتا ہے اس وقت ترک معاصی[۱] تو کیا ذکر سے ترک آباء[۲] و ترک ازدواج اور ترک اہل تک کی سوجھتی ہے مگر اس جوش کی مثال صبح کاذب[۳] کی سی ہے اس میں ضیاء[۴] تو صبح صادق سے زیادہ ہوتی ہے مگر اس کو بقاء نہیں ہوتا اسی کو فرماتے ہیں۔

ای شدہ تو صبح کاذب را رہیں! صبح صادق را زکاذب ہم بہ بیں!

(اے شخص تو صبح کاذب کے پیچھے ہی لگ گیا ہے صبح صادق اور صبح کاذب میں فرق دیکھ)

کہ تم تو صبح کاذب کے مرہون ہوگئے اس کو چھوڑو اور کاذب و صادق میں تمیز پیدا کرو! دیکھو ایک پھول وہ ہوتا ہے جو آکر جھڑ جاتا ہے اور اس کے بعد پھر اصلی پھول آتا ہے جس پر پھول آتا ہے۔ اسی طرح ایک حالت راسخ[۵] ہوتی اور ایک عارض۔ تو ابتداء میں جو حالت ہوتی ہے وہ قائم اور باقی اور صادق حالت نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ترک ذکر نہ کرے تو اس کے بعد جو حالت پیدا ہوگی وہ صادق[۶] ہوگی اور وہ مقام کہلاتا ہے۔ مگر اس میں جوش و خروش اور ولولہ نہ ہوگا اس کی حالت پختہ ہنڈیا کی سی ہوگی کہ اس میں نہ غلیان[۷] ہوتا ہے نہ شور ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت جنید بغدادیؒ سے جب پوچھا گیا کہ "ماالنہایة"[۸] تو فرمایا "العود الی البدایة"[۹] یعنی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ عوام الناس تو یہ سمجھیں کہ یہ عوام میں داخل ہیں اور خواص واقفین یہ جانیں کہ یہ خواص میں سے ہیں۔ جیسے انبیاء

۱۔ گناہ چھوڑنے ۲۔ماں باپ اور بیوی بچوں تک کو چھوڑنے کو دل چاہتا ہے

۳۔ افق کی صبح کو ایک روشنی نکلتی ہے جو سیدھی اوپر کو جاتی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید صبح ہوگئی حالانکہ ابھی رات ہوتی ہے اور پھر غائب ہوجاتی ہے اندھیرا چھاجاتا ہے اسی لیے اس کو صبح کاذب یعنی جھوٹی صبح کہتے ہیں اس کے بعد افق پر سیدھی روشنی طول و عرض پھیلتی ہے اس کو ہم صبح صادق کہتے ہیں جس پر دن ہوتا ہے ۴۔روشنی ۵۔پختہ

۶۔سچی ۷۔جوش ۸۔سلوک کی انتہا کیا ہے ۹۔ابتدائی حالت کی طرف لوٹنا

کرامتؒ کی حالت تھی کہ وہ بالکل عوام میں ملے جلے رہتے تھے بازاروں سے جا کر ترکاری بھی لے آتے تھے۔ تو انتہا میں جوش وغیرہ تو جاتا رہتا ہے لیکن ایک دوسری قسم کی حلاوت لطیف[۱] پیدا ہوتی ہے پہلی حالت کی مثال گڑ کی شیرینی[۲] کی سی ہے۔ اور دوسری حالت کی مثال قند کی شیرینی کی سی ہے۔ کہ گڑ کی شیرینی کا ادراک تو ہر عام شخص کو بھی ہوتا ہے۔ لیکن قند[۳] کی شیرینی چونکہ لطیف ہے اس کا کامل ادراک ہر شخص کو نہیں ہوتا صرف لطیف المزاج ہی لوگوں کو ہوتا ہے۔ دیوبند میں شیخ کرامت حسینؒ نے اپنے فرزند کی شادی کی تو اس میں چماروں[۴] کو بھی جو کہ بیگار میں آئے تھے کھانا دینے کا حکم دیا کھانے کے ساتھ فرینی تھی جب فرینی سامنے آئی۔ تو چکھ کر چمار کہتے ہیں! یہ تھوک سا کیا ہے؟ تو جیسا ان چماروں نے فرینی کی شیرینی کو نہیں سمجھا۔ اسی طرح عامی[۵] بھی منتہی[۶] کی حالت کو نہیں سمجھ سکتے۔ ع

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

(جو ابھی دور یشی میں کچا ہے وہ پختہ اور کامل درویشوں کے حالات کو نہیں سمجھ سکتا بس ٹھیک بات تو یہی ہے کہ ان کے ساتھ کہ ان کے ساتھ بحث و مناظرہ نہ کیا جائے بلکہ انہیں ان ہی کے حال پر چھوڑ دیا جائے) اس شعر سے ایک نیا مسئلہ اس وقت یہ بھی سمجھ میں آیا کہ پختہ لوگوں کو چاہیے کہ خام سے گفتگو نہ کیا کریں کیونکہ وہ ان کی حالت کو نہیں سمجھ سکتا اور اس کی تائید اس شعر سے ہوتی ہے۔ ع

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی　　بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

(جو خواہ مخواہ درویشی کے دعویدار ہوں ان سے عشق و مستی کی راز کی باتیں مت کہو

۱۔ نیکی کا ایک بہت عمدہ احساس پیدا ہوتا ہے　۲۔ گڑ کی مٹھاس میں میٹھا تو تیز ہوتا ہے لیکن چینی کی جو چیز میٹھی کی جائے اس کے مٹھاس میں ایک لطافت ہوتی ہے جو گڑ میں نہیں　۳۔ چینی　۴۔ بھنگی　۵۔ عام آدمی
۶۔ سلوک کے آخر مراحل میں پہنچے ہوئے کی حالت

ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو وہ اپنی اسی خود پرستی میں ٹھوکریں کھاتے رہیں)۔

کہ ان منکرین کو شبہات ہی میں مرنے دو! ان سے اسرار عشق نہ کہو تو عوام کو منتہی کی حالت کا ادراک نہیں ہوتا کیونکہ منتہی میں جوش و خروش نہیں رہتا۔ چونکہ غلبہ لذت ذکر[۱] نہیں رہتا اور جب اس لذت کا غلبہ نہیں رہتا اور یہی لذت غالب تھی میلان الی المعصیۃ[۲] پر اس لیے کبھی کبھی معاصی[۳] کی طرف میلان ہوجاتا ہے اور ناواقفی سے اس وقت سالک کو سخت شکستہ دلی[۴] ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میری محنت و مجاہدہ بالکل بے کار ہوا۔ حالانکہ! اس کو شکستہ دل نہ ہونا چاہیے کیونکہ میلان[۵] الی المعصیۃ مذموم نہیں اصل مذموم تو معصیت[۶] ہے اور مفضی قریب الی المذموم[۷] تقاضائے معصیت ہے اس لیے اس کو بھی زائل[۸] کیا جاتا ہے۔ اور مجاہدے کے بعد تقاضا باقی نہیں رہا اور جب تقاضا باقی نہیں رہا تو معلوم ہوا کہ یہ ناکام نہیں، کامیاب ہے۔ ہاں! اگر پھر تقاضا ہونے لگے تو پھر مجاہدہ کرے۔ خیر! یہ ضمن میں ایک بات بطور جملہ معترضہ کے یاد آگئی تھی اس کو بھی عرض کردیا۔

بدل مجاہدہ:۔

مگر بالاصالۃ[۹] یہ کہہ رہا تھا کہ قاعدہ کے موافق اتنے مجاہدوں کے بعد تبدیل ملکہ[۱۰] میں کامیابی ہوتی ہے۔ مگر ظاہر ہے! کہ ہر شخص مجاہدہ کے لیے آمادہ نہیں ہے تو پھر ایسے لوگوں کے لیے اس تبدیل کی کیا تدبیر ہے اور ضرورت اس

۱۔ذکر الٰہی کرنے سے جو مزہ آتا ہے اس کا غلبہ نہیں رہتا ۲۔گناہ کی طرف راغب ہونے ۳۔گناہوں ۴۔صوفی کا دل ٹوٹ جاتا ہے ۵۔گناہ کے تقاضے کا دل میں پیدا ہونا یہ برا نہیں ۶۔اصل بری چیز تو گناہ ہے جب تک اس کا ارتکاب نہیں کرتا صرف تقاضے ہونے سے گناہ نہیں ہوتا ۷۔ناپسندیدہ کے قریب کر دینے والا گناہ کا تقاضا ہے ۸۔دور ۹۔اصل ۱۰۔عادت

تبدیل کی اوپر ثابت ہو چکی ہے کہ بدون[1] اس کے معاصی سے بچنا سخت دشوار[2] ہے سو خدا کا فضل ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے اس آیت سے یہ سمجھ میں آیا کہ توبہ کرنے میں بھی وہی خاصیت ہے جو مجاہدہ میں ہے یعنی جس مجاہدہ نے ملکہ معصیت کو جو کہ منشاء گناہ کا تھا بدل دیا تھا۔ اور جس کا اثر یہ ہوا کہ گناہ کا تقاضا نہ رہا تھا اس مجاہدے کے قائم مقام یہ ایک بے مشقت ہوئی[3] ہے یعنی "توبہ" جس کے لیے کہیں جانا بھی نہیں پڑتا۔ اور جس کے عامل کو یہ کہنے کا حق ہے کہ۔

خلوت گزیدہ را بہ تماشا چہ حاجت ست

چوں کوئے دوست ہست بہ صحراء چہ حاجت است

(جس نے خلوت و تنہائی کا مزہ چکھ لیا وہ ہنگامہائے حیات سے بے نیاز ہے اور جو کوچہ جاناں سے آشنا ہوگیا اس کا جنون صحرا و بیابان کی تلاش نہیں کرتا) اور جس کی نسبت یہ کہا جائے گا کہ۔

ہمت اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن در آ

تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ درد دل کشا بہ چمن درا

(اگر تجھے جذبہ عشق و محبت اب بھی چمن کے رنگ و بو کی طرف کھینچ لے جائے تو افسوس ہے تو خود ایک حسین غنچے کی طرح کھلا ہوا ہے اپنے دل کا دروازہ کھول اور اس باغ و بہار کی سیر کر) اور یہ کہیں گے۔

اے برادر عقل یکدم باخود آر　　دمبدم در تو خزاں ست و بہار

(اے بھائی عقل کو کام میں لا اور سوچ بہار اور خزاں تو ہمہ اوقات تیرے اندر موجود ہیں) اس سہل[4] نسخہ کی نسبت الحمد اللہ کہ امتحان سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس میں وہی اثر ہے جو مجاہدہ میں ہے اور مجھے افسوس ہوتا ہے جب دیکھتا ہوں کہ

۱۔ بغیر　۲۔ مشکل　۳۔ بلا محنت ہوا ہے　۴۔ آسان

لوگوں کی سمجھ میں یہ معالجہ[1] نہیں آتا۔ صاحبو! امتحان تو کرو! اور بحمد اللہ میں نے تو اپنے دوستوں پر اس کا امتحان کرکے آپ صاحبوں کے سامنے پیش کیا ہے اور امتحان اس طرح کیا گیا کہ خاص دوستوں کو یہ کہا گیا کہ جب گناہ ہوجایا کرے توبہ کرلیا کرو اگر پھر ہوجائے تو پھر توبہ کرلو پھر ہوجائے پھر توبہ کرلو۔ غرض جب گناہ کا ارتکاب ہوجائے تو فوراً توبہ کرلیا کرو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن وہ آئے گا جو گناہ کے مادہ کا بالکلیہ قلع قمع[2] ہوجائے گا۔ دیکھیے! اس میں نہ ہلدی لگی نہ پھٹکری۔

تاثیر توبہ:۔

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ بار بار جو توبہ کرنے کا حکم ہے اس میں یہ بھی ایک مصلحت ہے۔ افسوس ہے کہ بعض لوگ اس کی قدر نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ شریعت نے یہ ایک کھیل ہم کو بتلادیا ہے۔ صاحبو! اس علاج کا اثر یہ ہے کہ وہ گناہ ساری عمر چلے ہی گا نہیں۔ کیونکہ ہرگز ممکن نہیں کہ آدمی بار بار توبہ کرے اور پھر گناہ کرتا رہے۔

تبدیل ملکہ کا طریقہ:۔

بار بار توبہ کرنے کی نسبت فرماتے ہیں۔

"والذین اذا فعلوا فاحشۃً او ظلموا انفسهم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبهم و من یغفرالذنوب الا اللہ. ولم یصروا علی مافعلوا"[3].

(اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو، اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرلیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو؟ اور وہ لوگ اپنے

۱۔ طریقہ علاج ۲۔ مکمل خاتمہ ۳۔ آیت نمبر ۱۳۵ سورۃ آل عمران

فعل پر اصرار نہیں کرتے) حدیث شریف میں ہے "ما اصر من استغفر و ان عاد فی الیوم سبعین مرۃ". (جو توبہ کرتا رہتا ہے پھر چاہے وہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کر بیٹھے گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں) صاحبو! کیا یہ بھی کوئی مشکل بات ہے کہ جب گناہ ہوگیا، توبہ بھی کرلی۔ دیکھو جب گناہ کرتے ہو تو کس توجہ سے کرتے ہو کہ پیر بھی ہلاتے ہو ہاتھ بھی ہلاتے ہو ارادہ بھی کرتے ہو اگر توبہ میں بھی ذرا زبان اور قلب کو حرکت دے لیا کرو تو کیا دشوار ہے؟ اصل یہ ہے کہ جب شیطان نے دیکھا کہ یہ تو بڑا چلتا ہوا نسخہ ہے اور سب ہی استعمال کریں گے اور میری ساری کوشش جو گناہ کرانے میں ہوئی تھی مٹ جائے گی تو اس نے ہم کو اس طرح گمراہ کیا کہ اس علاج کی وقعت ہی دلوں سے نکال دی اور یہ سمجھا دیا کہ جب پھر گناہ ہوجائے گا توبہ سے کیا فائدہ؟ چنانچہ عام طور سے سب اس میں مبتلا ہیں کہ توبہ اس وقت کرتے ہیں جبکہ بالکل ہی ترک کا یقین کرلیتے ہیں اور جب تک یہ اندیشہ رہتا ہے کہ پھر ہوجائے گا تو توبہ ہی نہ کریں گے۔ صاحبو! توبہ ہر حالت میں کرنا ضروری اور مفید ہے۔

باز آ بر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(تو پھر آ تو جیسا بھی کچھ ہے پھر آ اگرچہ کافر یا بت کا پوجنے والا ہے پھر بھی آجا۔ ہمارا یہ دربار ناامیدی کا دربار نہیں۔ سو دفعہ بھی اگر تو توبہ کو توڑ چکا ہے پھر بھی آجا) علاوہ اس کے میں کہتا ہوں کہ اندیشہ ابتلاء فی المعصیۃ[1] کی صورت میں اگر بالفرض توبہ مفید بھی نہ ہوتی جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے تب بھی توبہ کرلینے میں کوئی حرج[2] بھی تو نہیں ہے اور اس سے کوئی نقصان بھی تو نہ ہوجائے گا مثلاً اگر

۱۔ گناہ میں مبتلا ہونے کے اندیشے کی   ۲۔ مضائقہ

ایک شخص دن میں پانچ مرتبہ شراب پیتا ہے اور ہردفعہ توبہ کرلے تو اس کا نقصان کیا ہوا۔ غرض انتہائے[1] مرتبہ پر پہنچ کر میں صلح کرتا ہوں! کہ اگر آپ کے خیال کے موافق اس میں کوئی نفع[2] بھی نہیں لیکن کوئی نقصان بھی تو نہیں ہے۔ افسوس کہ ایسی اکسیر کی پوڑیہ[3] مگر شیطان برتنے نہیں دیتا۔ صاحبو! یہ عمل دس پانچ مرتبہ کرکے دیکھو واللہ یقیناً گناہ چھوٹ جائیں گے۔ میں صدائے عام دیتا ہوں! کہ جس گناہ کو کوئی شخص چھوڑنا چاہے اس کے لیے یہ کافی تدبیر ہے کہ جب وہ ہوجایا کرے فوراً ہی اس سے توبہ کرلیا کرے۔ کیا کسی نے کبھی ایسا سہل علاج سنا ہے۔ یہ ہیں قرآن شریف کے علوم جو امتہ محمدیہ ﷺ کو عطا ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہر گناہ کے بعد ضرور توبہ کرلیا کرے اس سے ان کے برے ملکات مبدل بہ ملکات حسنہ[4] ہوجائیں گے اس کو فرماتے ہیں "فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنت"[5]. یہ وعدہ ہے جو قرآن کریم میں کیا گیا ہے اور اگرچہ آیت شریفہ کی دلالت اس پر ظنی ہے لیکن تفسیر دوسری تفسیر سے راجح ہے اور دوسری تفسیر اس کے مقابلے میں مرجوح ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے بتلائیے اس علاج میں کیا دشواری ہے چونکہ مسلمانوں میں یہ مرض عام ہے کہ وہ گناہ کے چھوڑنے کو سخت دشوار سمجھتے ہیں اس لیے میں نے اس کو یہ علاج بتلادیا کہ بار بار توبہ کرلیا کرو۔

توبہ کا طریقہ:۔

مگر توبہ بھی اس طرح کی ہو کہ جس طرح سے ذات پاک نے ہم کو بتلائی ہے اور اس کی تعلیم ہم کو رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے پہنچی ہے اور وہ طریقہ موافق

۱۔ آخری مرتبہ ۲۔ فائدہ ۳۔ تیز اثر رکھنے والی دوا ۴۔ بری خصلتیں اچھی خصلتوں سے تبدیل ہوجائیں گی ۵۔ آیت نمبر ۷۰ سورۃ فرقان

بن عبداللہ کا ارشاد نعوذ باللہ محمد بن زکریا کی رائے سے بھی کم ہے۔ اسی ارشاد کی ترجیح کی تعلیم فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمت یونانیاں　　حکمت ایمانیاں را ہم بخواں!

صحت ایں حس بجوئید از طبیب　　صحت آں حس بجوئید از حبیب

صحت ایں حس زمعموری تن　　صحت آں حس زتخریب بدن

(یونانی حکیموں کی باتیں تم نے بہت پڑھ لی ہیں اب ایمان والوں کی باتیں بھی پڑھو! جسمانی احساس کی درستی طبیب سے کراؤ، اور ایمانی احساس کی درستی محبوب سے کراؤ۔ جسمانی احساس کی درستی جسم کی درستی ہوتی ہے، اور ایمانی احساس کی درستی جسم سے بے نیاز ہوجانے میں ہے) "تخریب بدن" کا مطلب یہ ہے کہ حظوظ نفسانیہ[۱] کو چھوڑو حرام کو بالکلیہ اور مباح کو انہماک[۲] کے درجے میں۔ صاحبو! اس میں ہرگز شک نہ کرو آزمانے ہی کے لیے چند روز تک کر دیکھو! ع

سالہا تو سنگ بودی دلخراش　　آزموں را یک ساعتے خاک باش

(تو برسوں تک پتھر کی طرح دل کو زخمی کرنے والا بنا رہا یہ بھی آزما کر دیکھ لو کچھ دیر کے لیے مٹی بن جاؤ) یہ ہے طریقہ استعمال کا۔ اب یہ بات رہی کہ اس معالجہ کو اس مرض کے ازالہ[۳] میں دخل کیا ہوا اور یہ کیوں موثر ہے؟ سو اول تو یہ سوال ہی لغو[۴] ہے، کیونکہ ممکن ہے اس میں بالخاصہ یہ اثر[۵] ہو جیسے مقناطیس میں جذب آہن[۶] کا اثر ہوتا ہے۔ دوسرے اگر یہ موثر بالکیفیۃ[۷] ہی ہو تو ہم نے جاننے کا کب دعویٰ کیا ہے۔ تیسرے اگر ہم جانتے بھی ہوں تو کیوں بتلائیں کیونکہ مریض

۱۔ نفسانی خواہشات　۲۔ حرام کاموں کو تو بالکل چھوڑ دو۔ اور جو کام جائز ہیں لیکن ان میں ثواب نہیں ہے تو ایسے کاموں میں انہماک نہ ہونا چاہیے　۳۔ دور کرنے　۴۔ بے کار　۵۔ ذات کے اعتبار سے یہ اثر　۶۔ لوہے کو کھینچنے کا اثر ہوتا ہے　۷۔ صفت کے اعتبار سے اثر کرتا ہو

کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں کہ گل بنفشہ کیوں موثر ہے اور اس کا کیا مزاج ہے؟ دیکھو! اگر کوئی بادشاہ کسی کو کچھ روپیہ عطا فرمائے اور وہ سوال کرے کہ یہ بتلایئے کہ یہ روپیہ ٹکسال میں کسی طرح بنتا ہے تو اس کو گستاخ اور بے ادب سمجھا جائے گا لیکن ان سب باتوں کے باوجود بھی بتلائے دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ نفس کو عبادت کا کرنا سخت ہوتا ہے اور توبہ خصوصاً نفلیں پڑھ کر یہ ایک گراں عبادت ہے پس جب کوئی شخص یہ التزام کر لے گا کہ جب گناہ ہوجایا کرے ہر دفعہ توبہ بھی کیا کرے اور اس کے لیے وضو کیا کرے اور نفلیں پڑھا کرے تو نفس اس سے سخت پریشان ہوگا اور باآسانی صلح اس پر کرلے گا کہ میں اب گناہ نہ کروں گا اس کو بالکل ایسی حالت ہے جیسے شریر لڑکا کہ کسی طرح نہ مانتا ہو لیکن جب اس کے لیے میاں جی یہ تجویز کردیں! کہ اس کے گلے میں اتنا بھاری پتھر ڈالو کہ اس سے اٹھ ہی نہ سکے تو وہ فوراً سیدھا ہوجاتا ہے تو نفس بھی اعمال صالحہ کو چونکہ بوجھ سمجھتا ہے اس لیے اس بوجھ کے رکھتے ہی گناہ سے باز آجاتا ہے۔ اور اس کو عبادت سے یہاں تک گرانی ہوتی ہے، کہ ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس ایک شخص آیا اس نے بیان کیا کہ میں کسی مقام پر روپیہ دفن کرکے بھول گیا ہوں ہر چند یاد کرتا ہوں لیکن کسی طرح یاد ہی نہیں آتا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا تم جاکر نفلیں پڑھنا شروع کرو اور جب تک وروپیہ یاد نہ آئے برابر نفلیں پڑھتے رہو اس ترکیب سے ان شاء اللہ بہت جلد یاد آجائے گا۔ چنانچہ اس نے جاکر نفلیں شروع کیں چند ہی نفلیں پڑھی تھیں کہ بہت جلد روپیہ کی جگہ یاد آگئی امام صاحبؒ نے اپنی فراست سے یہ معلوم کرلیا تھا کہ شیطان نے اس کو پریشان کرنے کے لیے روپے کی جگہ بھلادی ہے جب یہ نفلیں پڑھے گا اور شیطان کو نفلیں ناگوار ہوں گی تو نفلوں سے روکنے کے لیے فوراً اس جگہ کو یاد دلادے گا مگر یہ دریافت کرنا بھی امام صاحبؒ ہی کا کام تھا کہ یہ

شیطان نے بہکایا ہے غرض نفس اور شیطان عبادت سے بہت گھبراتے ہیں۔

دوسری مثال اس کی ایسی ہے کہ جیسے بچے کے دودھ چھڑانے کے وقت اکثر چھاتیوں کو ایلوا[1] لگادیتے ہیں کہ وہ جب دودھ پینے کا ارادہ کرتا ہے فوراً ہی تلخی[2] منہ میں پہنچتی ہے بس وہ دودھ ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ عبادت بھی نفس کو سخت بار اور ناگوار ہوتی ہے اس لیے اس کی ناگواری کے اندیشے سے وہ اپنی مرغوب چیز یعنی معصیت[3] کو چھوڑ دیتا ہے لیکن اس میں اتنا شبہ رہا کہ جب یہ علت ہے تو نفس کو تو ہر عمل صالح میں گرانی ہوتی ہے تو پھر توبہ ہی کی کیا تخصیص ہے؟ دوسرے اعمال کا بھی یہی اثر ہونا چاہیے۔ جواب یہ ہے کہ، اول تو اوپر آچکا ہے کہ اس تبدیل کے لیے توبہ کے ساتھ دوسرے اعمال صالحہ بھی شرط عادی ہے۔ دوسرے ممکن ہے! کہ اور اعمال تو اپنی نوع کے اعتبار سے کہ وہ عمل صالح ہے موثر ہو، اور توبہ اپنے مرتبہ میں موثر ہو۔

تیسرے! توبہ میں یہ تو ضرور ہی کہے گا کہ میرا قصور معاف کردیجیے! اور یہ طبعی بات ہے کہ جب کوئی اپنے کسی بڑے سے بار بار معافی چاہے اور آئندہ موافقت کا عہد کرے تو پھر اس کے خلاف کرتے ہوئے شرماتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دل سے توبہ ہو کیونکہ اسی سے عہد کے یاد میں رسوخ ہوجائے گا اور اس سے طبعی طور پر حیاء غالب ہوگی۔

قطع راہ[4]:۔

چوتھی وجہ ایک اور ہے جو کہ قرآن شریف سے سمجھ میں آئی یعنی اگلی آیت شریف میں فرماتے ہیں "ومن تاب وعمل صالحا فانه يتوب الى الله متابا"[5]. ترجمہ یہ ہے کہ جو توبہ کرتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے وہ خدا

۱۔ ایک انتہائی کڑوی دوا ہے ۲۔ کڑواہٹ ۳۔ گناہ ۴۔ راستہ طے کرنا ۵۔ آیت نمبر ۷۱ سورۃ فرقان

تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے اب اس آیت شریفہ کے ساتھ حدیث شریف کو ملائیے! فرماتے ہیں حدیث قدسی میں ہے۔

"من تقرب الیَّ شبراً تقربت الیه ذراعاً و من تقرب الیَّ ذراعاً تقربت الیه باعاً و من اتانی باعاً اتیته هَروَلةً"[۱]۔

(اور یہیں سے آپ کو یہ بھی کافی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ قرآن شریف سے بغیر استعانت حدیث شریف کے کسی مقصود کا اثبات کم ممکن ہے۔ جامع)

یعنی خدا تعالیٰ اس سے زیادہ اس شخص کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور اس توجہ سے وہ بعد جو وجوب اور امکان کے سبب سے تھا اور جس کی وجہ سے بندے کو خدا تک پہنچنا مصیبت تھا وہ جاتا رہتا ہے اور یہ بعد ہر چند کہ خدا تعالیٰ کی توجہ سے دور ہوتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی توجہ کی شرط یہ ہے کہ بندہ متوجہ ہو اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بچہ ہے کمزور اور وہ باپ سے دور کھڑا ہے اب اگر وہ باپ تک پہنچنا چاہے تو وہ بدون اس کے ممکن نہیں کہ خود باپ آگے بڑھ کر اس کو اٹھا لے۔ کیونکہ درمیانی مسافت کو وہ بچہ قطع[۲] نہیں کرسکتا۔ لیکن بعض اوقات باپ کی توجہ کی شرط یہ ہوتی ہے کہ بچہ ہاتھ پھیلا کر آنے کی کوشش کرے۔ تو اسی طرح بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان جو بُعد ہے وہ بندہ کے قطع کیے، قطع نہیں ہوتا۔

نہ گردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا

کہ می‌بالد بہ خود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

(عشق کا راستہ دوڑنے سے طے نہیں ہوتا بلکہ یہ آپ ہی آپ بڑھتا ہے جیسے شاخیں کاٹنے سے پودے بڑھتے ہیں)۔

تو جب یہ راہ قطع ہوگی تو خدا تعالیٰ ہی کی عنایت سے ہوگی مگر اس کے لیے

۱۔ جو میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک ذراع (گز) قریب ہوتا ہوں، جو میری طرف ایک ذراع قریب ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک باع (دو گز) تیز دوڑ کر (یعنی بہت زیادہ متوجہ) ہوتا ہوں۔ ۱۲

۲۔ طے

شرط عادی ہے کہ بندہ کی طرف سے توجہ ہو اس لیے فرمایا ہے "من تقرب الی شبراً" الخ۔

آغوشِ رحمت:-

غرض اس طرح خدا تعالٰی اس کو آغوش رحمت میں لے لیتے ہیں۔ تو ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ جو توبہ کرے گا وہ خدا تعالٰی کی طرف متوجہ ہوگا جو آیت سے ثابت ہے اور دوسرا مقدمہ یہ ہوا کہ خدا تعالٰی کی طرف متوجہ ہوگا خدا تعالٰی اس کی طرف متوجہ ہوگا جو حدیث شریف سے ثابت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا، کہ جو توبہ کرے گا! خدا تعالٰی اس کی طرف متوجہ ہوگا اب اس کے ساتھ ایک اور مقدمہ ملائیے، کہ جس کی طرف خدا تعالٰی متوجہ ہوں گے وہ یقیناً اعداء کی دست برد[١] سے محفوظ رہے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو توبہ کرے گا وہ اعداء (نفس و شیطاں کی دست برد سے محفوظ رہے گا)۔ چنانچہ خود شیطان نے بھی ایسے لوگوں کو مستثنیٰ کیا تھا جبکہ کہا تھا "لاغوینھم اجمعین۔ الاعبادک منھم المخلصین"[٢]۔ (میں ضرور ضرور ان سب کو بہکاؤں گا۔ سوائے ان کے وہ تیرے مخلص بندے ہیں) اور معصیت اثر ہے نفس و شیطان کی دست برد کا۔ پس وہ اس سے محفوظ رہے گا اور عادۃً تبدیل ملکات[٣] کے محفوظی[٤] مستعد ہے پس توبہ و عمل صالح پر اس طرح تبدیل ملکات مرتب ہوگیا۔ اور یہی معنی ہیں اس "الا من تاب و آمن وعمل عملاً صالحا فاولئک یبدل اللہ سیئات حسنت"۔ کے اب اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا ہر طرح اچھی طرح ثابت ہوگیا اب میں مکرر[٥] اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں! تاکہ یاد رہنا آسان ہو۔ اور اسی پر بیان کو ختم کردوں گا۔

١۔ دشمنوں کے غلبے سے محفوظ رہے گا   ٢۔ آیت نمبر ٣٩ سورۃ الحجر   ٣۔ بُری عادت کی تبدیلی

٤۔ محفوظ رہنا مشکل ہے   ٥۔ دوبارہ

خلاصہ علاج:۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مجاہدہ نہ کرسکے اس کے لیے بھی خدا تعالیٰ نے ترک معاصی کا ایک علاج مقرر فرمایا ہے جو نہایت ہی سہل ہے۔ یعنی جو طالب ہو! اور مجاہدہ پر قادر نہ ہو! وہ یہ کرے کہ جب گناہ ہوجایا کرے فوراً توبہ کرلیا کرے اور اگر معاودت[1] ہوجائے پھر فوراً توبہ کرے۔ یہ ہے وہ علاج اور اگر اب اس سہولیت پر بھی اس کو اختیار نہ کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی طینت[2] ہی خراب ہے اپنی اصلاح ہی نہیں چاہتا تو اس کے لیے یہ کہا جائے گا۔

ع:۔ اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی، اگر تو کسی قابل ہوتا!

اور آخر میں یہ کہا جائے گا کہ "انا للہ وانا الیہ راجعون"[3]۔

خاتمہ و دعا:۔

ب حق تعالیٰ سے دعا کیجیے[4] کہ وہ فہم دے۔ آمین

۱۔ دوبارہ ہوجانے ۲۔ سرشت ۳۔ موقع افسوس پر بھی اس کلمہ کو پڑھا کرتے ہیں۔ یہاں افسوس کرنا ہی مراد ہے۔ معنی صرت کے یہ ہیں۔ کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ البقرہ ۲ آیت ۱۵۶
۴۔ اپنی دعاؤں میں متعلقین و روح اشرف، متقین کو بھی یاد رکھیے۔ خلیل احمد تھانوی۔ ۱۷۔ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ